سلسلہ مطبوعات ۳۵

قیامِ امن اور

عدم تشدد کی حکمت عملی

(اسوۂ حسنہ کے تناظر میں)

ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

نام پمفلٹ	....	عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی (اسوۂ حسنہ کے تناظر میں)
مؤلف	....	ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
سلسلہ مطبوعات نمبر	....	35
سن اشاعت طبع اول	....	ستمبر/ 1994ء
سن اشاعت دوم	....	اکتوبر/ 2002ء
سن اشاعت سوم	....	فروری/ 2020ء
زیرِ اہتمام	....	شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان
قیمت	....	

www.rahimia.org

ملنے کا پتہ:

☆ رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

PH:00-92-42-36307714 , 36369089

برائے خط و کتابت:

☆ پوسٹ بکس نمبر 938، پوسٹ آفس گلگشت، ملتان

حرف اول

آج دنیا ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔ سرد جنگ کا دور اپنے انجام کو پہنچا، جس کے نتیجے میں دنیا میں قائم بلاکوں میں شکست و ریخت کا عمل جاری ہے۔ ان حالات میں اسلام کے حوالے سے یہ پروپیگنڈا شدت سے منظرِعام پر آیا کہ یہ دین اپنے پیروکاروں میں جنونیت اور تشدد کی ذہنیت کی آبیاری کرتا ہے اور اس سلسلے میں بہ طور ثبوت بعض نام نہاد ''اسلامی'' تحریکات کا طرزِعمل بھی پیش کیا جاتا ہے۔ حال آں کہ اسلام اپنے نام کی طرح اپنی تعلیمات میں بھی امن اور عدم تشدد کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ رسول اکرم ﷺ نے اسلام کی جو عملی تعبیر پیش کی، اس میں بھی آپ ﷺ قیامِ امن کی جدوجہد کو بڑے نامساعد حالات میں جاری رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بلکہ آپ کے اسوۂ حسنہ کا یہ ایک نادرالمثال واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے قیامِ امن کی خاطر اپنے ایک مخلص ساتھی کی قید کو بھی گوارا کرلیا۔ جب کہ وہ مظلومیت کی منہ بولتی تصویر بن کر انسانی جذبات میں بجا طور پر اضطراب کا باعث بھی بن رہا تھا۔

ایسے میں کورچشم اور بصیرت سے محروم عناصر ہی اسلام کو شدت پسند مذہب قرار دے سکتے ہیں۔ حقائق پر نظر رکھنے والے اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ دنیا میں قیامِ امن، غلبۂ اسلام کے بغیر محض ایک سُہانا خواب ہے، جس کی تعبیرِ عملی دنیا میں بھیانک ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ عدم تشدد اور امن کا مفہوم ظلم کے سامنے سرنگوں زندگی بسر کرنا نہیں، بلکہ یہ مزاحمت کا پرامن اظہار ہے جو جبر و ستم اور ظلم و تشدد کے ہتھیار کو کند کرنے میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ آیئے دنیا میں امن اور بھائی چارے کا معاشرہ قائم کرنے کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' کو اختیار کرنے کی راہ اپنائیں۔

پروفیسر ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
چیئرمین شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن ملتان

www.rahimia.org

مضامین	صفحہ نمبر
حرف اول	1
فہرست	2
عدم تشدد کی حکمت عملی	3
اجتماعی امن کی بنیادیں	4
حلف الفضول کی تجدید	7
مکہ مکرمہ میں عدم تشدد کی پابندی	8
میثاقِ مدینہ	9
عہد نبوی کی جنگیں	10
صلح حدیبیہ	10
صلح کی بات چیت سے قبل آپ کی امن پسندی کے شواہد	11
بات چیت کے دوران اور صلح کے بعد آپ کی امن خواہی کے واقعات	12
حوالہ جات وحواشی	15

www.rahimia.org

عدم تشدد کی حکمت عملی

دنیا باوجود ترقی و ارتقا کی منازل طے کرنے کے ابھی تک اس مسئلے کو حل نہیں کر پائی ہے کہ وہ پُرامن بقائے باہمی کا معاشرہ اور ماحول کس طرح ترتیب دے، بلکہ استعماری نظام کے عالمی غلبے کے باعث عصرحاضر کی سائنسی ترقی کا ایک منفی پہلو یہ ہے کہ دنیا کی متمدن اقوام ایک دوسرے سے خطرات محسوس کرکے اس انداز کا اسلحہ ایجاد کرچکی ہیں، جن کا معمولی استعمال بھی کائنات سے روح حیات کا خاتمہ کرسکتا ہے۔ اوراپنے ایجاد کردہ اسلحہ کی اس وسیع ہلاکت خیزی کے تصور سے یہ اقوام بھی کبھی کبھی کانپ جاتی ہیں اور پھراس کے سدباب کے لیے سیمینارز، کانفرنسوں، باہمی ملاقاتوں اور معاہدوں کا سلسلہ بھی چل نکلتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کیفیت یہ ہے کہ ہر وقت اسلحہ کا عفریت ان کے دل و دماغ کو پریشان اور سراسیمہ کیے رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ معاہدے استعماری عزائم کے سامنے کاغذ کے پرزوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ یہ مہذب اور ترقی یافتہ اقوام دین و مذہب کو پہلے ہی اپنی معاشرتی لغت سے خارج کرچکی ہیں۔ اَب ان کے علاقوں میں ان کے اپنے گروہی نسلی وطبقاتی خیالات وخواہشات کی حکمرانی ہے، جن کی انسانی اجتماع کی فلاح وبہود کے لئے کوئی منزل نہیں اور جن کا مستقبل موہوم امیدوں کے دھندلکے میں لپٹا ہوا ہے۔ جب کہ ان کی مزعومہ روشن خیالی کا باب اس کے بغیر بھی نامکمل رہتا ہے کہ وہ دین و مذہب اور بالخصوص دین فطرت یعنی اسلام کو اپنے بیجا اعتراضات کے زد میں لیے رہیں۔ حال آں کہ یہ ایک غیر متعصب حقیقت ہے کہ اس وقت دنیائے انسانیت میں منصفانہ امن اسی صورت میں پائیدار بنیادوں پر قائم ہوسکتا ہے جب اصول فطرت کی پاسداری کی جائے اور اسلام مسلمہ طور پر دیگر تمام ادیان کے مقابلے میں ان اصول فطرت کا بہترین نقیب ہے۔

www.rahimia.org

اجتماعی امن کی بنیادیں

اسلام نے آج سے کئی صدیوں قبل ہی ان بنیادوں کی وضاحت کردی تھی، جن پر امن عالم اور معاشرے کی آشتی کا دارومدار ہے، ملاحظہ کیجیے!

1۔ مساوات، یعنی اسلام نے اس حیثیت کی نشان دہی کی کہ تمام اقوام عالم اور انسانی گروہ اصولی طور پر مساوی حیثیت کے حامل ہیں۔ اور ان میں عظمت و امتیاز اس فرد و قوم کو حاصل ہوسکتی ہے جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر خدا پرستی اور انسان دوستی پر مبنی اچھے کردار کی حامل ہو اور اسی کو قرآن حکیم میں ''تقویٰ'' کا جامع عنوان عطا کیا گیا ہے۔[1] جب کہ جاہلیت کا غرور، اور رنگ و نسب کا افتخار اور گروہیت پرستی کا گھمنڈ اسلام کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور اگر کوئی حیثیت ہے تو وہ منفی حوالے سے ہی ہے۔[2] اس سلسلے میں ایک فاضل سیرت نگار رقم طراز ہیں:

> اس دنیا میں حسن عمل کے سوا ہر معیار عظمت، حسد، رقابت اور کش مکش کا موجب ہوتا۔ دولت کو معیار بنایا جائے تو جسے جائز ذریعے سے حاصل نہ ہوگی وہ ہر ناجائز ذریعے سے حاصل کرے گا۔ اور خلق خدا کے لیے لعنت بن جائے گا۔ فن حرب و سیاست میں کمال کو معیار بنایا جائے گا تو مختلف لوگ روئے زمین کو انسان کے خون سے رنگنے میں اپنی زندگیاں تمام کردیں گے اور دنیا ان کو صرف نفرین کا مستوجب ٹھہرائے گی، لیکن حسن عمل میں رقابت یا حسد راہ ہی نہیں پاسکتے۔ کیوں کہ وہ منافی حسن عمل ہوں گے۔ یوں تمام انسانوں کی انتہائی کوشش یہ ہوگی کہ حسن عمل کی فراوانی سے روئے زمین امن و سلامتی کا بہشت زار بن جائے۔[3]

2۔ مذہبی جبر کی نفی، قیام امن کے لیے خالق کائنات کی جانب سے اس اساسی ضابطے کا اعلان ہوا کہ دینی عقیدہ تسلیم کرانے کے معاملے میں کسی طرح کا جبر و تشدد روا نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دین کو دل کے اعتقاد و یقین کے راستے سے ہی پائیدار وجود ملتا ہے جو دعوت و موعظت اور شعور کی بیداری سے پیدا ہوتا ہے، جبر و تشدد سے نہیں۔ اور یہی راستہ رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا، جب کہ اس کے برعکس قریش مکہ ظلم و جور سے دین و اعتقاد کا فیصلہ کرنے کی راہ اپنائے ہوئے تھے۔

اسی بنا پر مدینہ منورہ کی مختلف مذہبی و نسلی آبادیوں کے درمیان طے پا جانے والے ''میثاق مدینہ'' میں ایک اصول یہ بھی تھا کہ غیر مسلم اپنے دین پر بدستور قائم رہیں گے۔ ان کے مال محفوظ رہیں گے۔ انھیں مسلمانوں کا دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان سے ان کی دولت چھینی جائے گی۔[4] اس طرح اسلام نے مختلف مذاہب پر مبنی پُر امن عادل معاشرے کے قیام کی داغ بیل ڈالی اور یہ واضح کر دیا کہ منصفانہ امن کی راہ میں عقائد کا اختلاف آڑے نہیں آتا۔

3۔ قیام عدل، اسلام نے امن کے قیام کو پائیدار اور مستحکم بنانے کے لیے محض اپنی امن پسندی کی خواہش کا اِظہار ہی نہیں کیا، بلکہ اس کے لیے جو اساسی اصول متعین کیے ہیں، ان میں سے ایک اہم ترین اصول ''قیام عدل'' ہے۔[5] کہ دنیا میں شر وفساد کے پھیلاؤ اور بدامنی کے فروغ کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کی تہہ میں معاشی، سیاسی، سماجی اور اخلاقی سطح پر عدل کش ضابطے واقدامات اور انصاف دشمن رویے کارفرما ہوں گے۔ گویا قیامِ عدل درحقیقت قیامِ امن کا نقیب ہے۔

عدل کا مفہوم یہ ہے کہ کسی فرد یا گروہ کے ساتھ بدون افراط وتفریط (کمی وبیشی) معاملہ کرنا، جس کا وہ واقعی مستحق ہے، عدل وانصاف کی ترازو ایسی اور برابر ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی کو جھکا نہ سکے۔[6]

4۔ مثبت تعاون باہمی، اسی طرح معاشرے میں قیامِ امن کی پائیداری اس اصول کی بھی رہین منت ہے کہ خیر و صلاح اور سماجی فلاح و بہود کے کاموں اور اجتماعی اخلاق حسنہ کے قیام میں تعاون کو فروغ اور شر کے کاموں اور ظلم و استحصال کے نظاموں میں تعاون سے گریز کے اصول کو اختیار کیا جائے۔[7] اس سے ہی صحت مند سماج کی تشکیل کی راہ ہموار ہوتی ہے اور امن پسند اجتماعی رویوں کو تقویت اور امن شکن جذبات کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خیر وشر، امن وفساد اور عدل وظلم ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ دونوں کی تاثیر ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے۔ لہٰذا قیامِ امن، صلح وآشتی کے فروغ اور عدل کے غلبے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ برائی (تشدد) کا جواب برائی (تشدد)

www.rahima.org

سے نہ دیا جائے۔ بلکہ ممکن حد تک تشدد کے مقابلے میں بھلائی (صبر کی حکمت عملی) سے پیش آیا جائے۔ اگر کوئی ناپسندیدہ برتاؤ کرے تو اس کے مقابلے میں وہ طرزِ عمل اختیار کیا جانا چاہیے جو اس سے بہتر ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سخت سے سخت دشمن بھی نرم پڑ جائے گا، اور ایک وقت آئے گا جب وہ ایک گہرے اور گرم جوش دوست کی مانند برتاؤ کرنے لگے گا۔[8] اس طرح معاشرے کے افراد باہم شیر و شکر ہو کر فساد اور بدامنی کا سدباب کر سکیں گے۔

اسلام نے امن کش اور دہشت گردی کی سرگرمیوں کے انسداد کے لیے مختلف قوانین بھی مقرر کیے ہیں۔ چناں چہ فتنہ و فساد فی الارض اور تخریب کاری کو مکروہ ترین اور قابل نفرت فعل قرار دیا گیا۔ اور اس کے مرتکب کے لیے سخت سزائیں تجویز کی گئیں۔ چوری کے لیے قطع ید (ہاتھ کاٹنے)[9] رہزنی کے لیے قتل، سولی دینے، مخالف سمت سے ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور جلاوطنی کی سزائیں متعین کی گئیں۔[10] اس کے علاوہ باہمی رنجش کے اسباب کی نشان دہی کر کے ان سے روکا گیا ہے۔ مثلاً تمسخر و استہزا عیب جوئی، بدگمانی، جاسوسی اور غیبت وغیرہ کہ یہ اجتماعی بداخلاقیاں ہر بدامنی اور فساد کے پس منظر میں ہوتے ہیں۔[11] اسلام کی ان تعلیمات کے اجمالی جائزے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اسلام میں معاشرتی امن کو کس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اس کے تحفظ کے لیے متعدد اقدامات طے اور کئی بنیادی اصول متعین کیے گئے ہیں۔

قبل اس کے کہ قیامِ امن کے لیے کیے جانے والے ان عملی اقدامات کا ذکر کیا جائے جو رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اور آپ ﷺ کے ذریعے روبۂ عمل آئے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ بعثت نبوی کے زمانے میں قبائلِ عرب باہمی خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ بکر و تغلب کی چالیس سالہ جنگ کا قریب میں ہی خاتمہ ہوا تھا۔ یمن میں کندہ اور حضرموت کے قبائلی کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے۔ یثرب میں اوس و خزرج لڑ لڑ کر اپنے ایک ایک سردار کو کھو چکے تھے۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں خودمختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے۔ تمام ملک قتل و غارت گری، سفاکی و خونریزی کے خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ تمام قبائل نہ ختم ہونے والے سلسلہ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ انتقام و خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی۔ حرم میں خاص طور پر بنوقیس اور قریش کے درمیان حربِ فجار کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح تمام ملک معرکہ کار

www.rahima.org

زار بنا ہوا تھا۔[12] ان ہنگاموں کے وجوہ و اسباب معمولی نوعیت کے ہوتے تھے، مثلاً قرضے کی ادئیگی میں ٹال مٹول، کسی عورت سے چھیڑ چھاڑ، ذاتی لن ترانیاں، مخالف قبیلے کے جواب پر خفگی و ناراضگی اور کبھی حرمت والے مہینوں کی تازہ حرمت شکنی کا انتقام وغیرہ[13] یوں تو رسول اکرم ﷺ کی تمام زندگی عدل پر مبنی امن و آشتی کے فروغ میں بسر ہوئی۔ تاہم ذیل میں ان عظیم اقدامات کا تذکرہ مقصود ہے جو آپ ﷺ نے خاص طور پر اس لیے اٹھائے۔

حلف الفضول کی تجدید

چوتھی جنگ فجار میں کسی معمولی سی بات پر کافی خونریزی ہوئی۔ چناں چہ قریش اس پر افسردہ اور پشیمان ہوئے تو جنگ کے چند ہفتے بعد لڑائی میں شریک قریش سرداروں بالخصوص زبیر بن عبد المطلب (رسول اکرم ﷺ کے چچا اور بنو ہاشم کے سردار) اور قبیلہ تیم کے عبداللہ بن جدعان نے اہل شہر کو اس ''حلف الفضول'' کی تجدید کی دعوت دی جو قصی کے مکہ پر قبضہ سے قبل جرہمی دور میں طے پایا تھا۔ چناں چہ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ضیافت میں قبیلہ تیم، بنی ہاشم، بنی المطلب، بنی زہرہ اور بنی حارث بن فہر کے معززین جمع ہوئے اور حلفیہ اقرار کیا کہ

(۱) ہم مظلوموں کا ساتھ دیں گے خواہ وہ کسی قبیلہ کے ہوں تاوقتیکہ ان کا حق ادا کر دیا جائے۔

(۲) ملک میں ہر طرح کا امن و امان قائم کریں گے۔

(۳) مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

(۴) غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

(۵) کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔

گویا اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا۔ جب کہ مظلوم کی حق رسی سے ہی قیام امن کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

حلف الفضول کی تجدید کی اس مجلس میں رسول اکرم ﷺ بھی شریک تھے، اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک بیس سال تھی، جس سے زمانہ ماقبل نبوت سے ہی سماجی عدل پر مبنی

www.rahnuma.org

امن و آشتی اور مظلوموں کی داد رسی جیسے بنیادی اصولوں سے آپ کی نا قابل تنسیخ وابستگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کا اپنا ارشادِ گرامی ہے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف اٹھانے میں شریک تھا اور سرخ اونٹوں (عربوں کا اس وقت کا بیش قیمت متاع) کے ریوڑ کے عوض بھی اس شرکت کے اعزاز سے دستبردار ہونا نہیں چاہتا اور اگر زمانہ اسلام میں بھی مجھے کوئی اس کی دہائی دے کر پکارے تو مَیں اس کی مدد کے لیے لپکوں گا۔ (کیوں کہ اسلام اصول فطرت پر مبنی معاہدوں کا نہ صرف احترام کرتا ہے، بلکہ ان کا نقیب بھی ہے۔) نہ صرف یہ بلکہ مؤرخین کے مطابق آپ زمانہ اسلام (ماقبل ہجرت) میں بعض اوقات اس معاہدے کی رو سے مؤثر عملی حصہ لیتے نظر آتے ہیں۔[15]

مکہ مکرمہ میں عدم تشدد کی پابندی:

رسول اکرم ﷺ نے بعثت کے بعد جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ہو۔ آپؐ کی دعوت قبول کرنے والوں کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دینے اور مادر زاد ننگا گھر سے نکال دینے کے واقعات تو معمول کی بات سمجھے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان پر ظلم و ستم کا ہر حربہ آزمایا گیا۔ دہکتی آگ کو ننگی انسانی پشت کی چربی سے سرد کیا گیا۔ عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی زمین پر انھیں رگیدا گیا، کسی کو برچھی سے انتہائی وحشیانہ طریقے سے شہید کیا گیا، کسی کے ہاتھ پاؤں سرکش اونٹوں سے باندھ کر انھیں مخالف سمتوں میں دوڑایا گیا کہ بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، آپ کے ماننے والے ہی نہیں، خود رسول اکرم ﷺ بھی جبر و تشدد کا نشانہ بنے۔ چناں چہ آپؐ کے راستہ میں کانٹے بچھائے جانے اور گھر میں غلاظت پھینکے جانے کے واقعات بھی پیش آئے۔ اس کے علاوہ آپؐ کی گردن مبارکہ میں چادر ڈال کر اس سختی سے گلا گھونٹنے کی کوشش کی گئی کہ آنکھیں باہر کو نکلتی تھیں۔ آپ ﷺ کی پشت مبارکہ کو عین سجدہ کی حالت میں اونٹ کی نجاست بھری اوجھری سے آلودہ کیا گیا۔ طائف کے شہر میں پتھروں کی اس قدر تسلسل سے بارش ہوئی کہ آپ ﷺ خون میں نہا گئے۔ نیز آپ کو تین سال تک اپنے قبیلے کے تمام افراد کے ساتھ خواہ انھوں نے دعوت دین قبول کی ہو یا نہ کی ہو۔ شعب ابی طالب میں محصور رکھ کر مکمل معاشی و سماجی بائیکاٹ کیا گیا۔[16]

گویا مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ عرصے میں قریش کی جانب سے رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کی جماعت کے خلاف ظلم وتشدد اور جبر وستم کا ہر جسمانی اور نفسیاتی حربہ آزمایا گیا، لیکن آپؐ نے اس موقع پر اپنے ساتھیوں کو جوابی تشدد سے روکے رکھا۔ گو جبر مسلسل اور متواتر تشدد کا جواب دینا ہر لحاظ سے درست اور معقول تھا۔ لیکن اندیشہ اس امر کا تھا کہ اس طرح کے ردِعمل سے معاشرہ خانہ جنگی کا شکار ہوجائے گا۔ اور بدامنی کا ماحول تشکیل پاجائے گا اور اس کی آڑ میں غلبۂ حق کی جدوجہد کو سبوتاژ کر دیا جائے گا جو آپ کو کسی طرح گوارا نہ تھا۔ الغرض رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے جو کچھ کیا اس کا ایک ایک فعل صبر وتحمل، راستی و دیانت، امن وآشتی اور عفو ودرگذر کا اعلیٰ سے اعلیٰ تر نمونہ تھا۔

> مولانا ابوالکلام آزاد نے درست کہا کہ مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار میں درگذر تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے، جیسے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارک میں یکجا ہوگئے۔ (17)

میثاقِ مدینہ

جب رسول اکرم ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو مادی لحاظ سے نہ سہی، لیکن انصار کے ایثار اور مہاجرین کے صبر جیسے بیش قیمت ''اسلحہ'' کے سبب آپ کو ایک بالادست حیثیت حاصل ہوگئی تھی، لیکن اس کے باوجود آپؐ نے مدینہ منورہ کو امن وآشتی کا گہوارہ بنانے کی خاطر مدینہ کے غیر مسلموں کے ساتھ فریقین کے نقطۂ نظر سے ایک آبرومندانہ معاہدہ کیا جو تاریخ میں میثاقِ مدینہ کے نام سے معروف ہے۔ اس معاہدے کی دستاویز کے مطالعہ سے نہ صرف آپ امنِ عالم کے حقیقی علم بردار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں، بلکہ درج ذیل مقاصد بھی آشکارا ہوتے ہیں

1۔ ہر آبادی کو پُرسکون زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ تاکہ وہ یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ معاشی جدوجہد میں مصروف رہے۔ اولاد کی بہتر سے بہتر تربیت کرے اور معاشرتی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے انجام دے۔

2۔ کسی فرد و گروہ کے عقائد و رسوم پر نامناسب پابندی عائد نہ کی جائے۔

www.rahimia.org

3۔ فتنہ وفساد اور بدامنی کا مکمل سد باب کیا جائے۔

4۔ بیرونی حملوں اور یورشوں کی روک تھام کی جائے کہ اس سے نہ صرف داخلی امن برباد ہوتا ہے، بلکہ لوگوں کے وسائل معاش، تربیت اولاد، تحفظ جان ومال اور معاشرتی فرائض کی ادائیگی کا ہر نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔ اور زندگی کی پوری فضا بے یقینی کے طوفانوں کی جولانگاہ بن جاتی ہے۔ الغرض اس دستاویز میں عدل اجتماعی، دینی رواداری اور معاشرے کے مشترکہ مفادات کے حصول کے لیے باہمی تعاون کے اصول پائے جاتے ہیں۔ (18)

عہد نبوی ﷺ کی جنگیں

اسلام عالم انسانیت کے لیے امن وآشتی، محبت واخوت اور فلاح و بہبود کا نقیب بن کر آیا۔ اس میں جنگ آزمائی، خونریزی اور غارت گری کے لیے کیسے گنجائش ہوسکتی تھی، لیکن اس کے باوجود قریش مکہ کے غرور وتکبر، جبر وتشدد اور جور وظلم نے پر امن حق پرست انسانوں کا جینا دوبھر کردیا۔ حال آں کہ ان کی نیکوکاری، حق پرستی اور امن پسندی کسی کے لیے باعث تکلیف تو کجا، انسانی معاشرے کے لیے باعث سکون و راحت ہی تھی۔ بالآخر آپ ﷺ نے مجبور ہوکر ایک جماعت کو حبشہ جانے کی اجازت دی۔ لیکن قریش مکہ نے ان کا وہاں بھی تعاقب ترک نہ کیا۔ بعدازیں رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ قدیم آبائی گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کرگئے، لیکن قریش کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا، ایسے حالات میں حفاظت خود اختیاری اور عملی اقدام کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں تھا جو اس دنیا میں ہر پرامن معاشرے کا اوّلین فطری حق ہے۔ اور اس پر عالمی امن کا انحصار بھی ہے۔ چناں چہ قرآنِ حکیم نے واضح کیا کہ اگر امن شکن گروہوں کی سرگرمیوں کی روک تھام نہ کی جائے تو زمین فساد کی آماج گاہ بن جاتی ہے۔ (20)

صلح حدیبیہ (21)

٦ھ میں حدیبیہ کے معاہدہ سے تو آپ ﷺ کی امن پسندی کے چرچے عرب سے باہر بھی پہنچ گئے، اس معاہدے کا پس منظر یہ تھا کہ آپ ﷺ چودہ سو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں عمرہ کے لیے داخل ہونا چاہتے تھے۔ لڑنے کا چوں کہ کوئی

ارادہ نہ تھا اس لیے مروّجہ دستور کے مطابق تلواریں نیاموں میں تھیں اور پھر آپ ﷺ نے اپنی امن پسندی کے ثبوت کے طور پر مضافاتِ مدینہ کے دیہی باشندوں کو بھی اپنے ساتھ زیارتِ بیت اللہ کے لیے چلنے کا پیغام دیا۔ حال آں کہ وہ غیر مسلم تھے۔ چناں چہ مسلمان اپنے ساتھ ستر اونٹ قربانی کے لیے لے کر چلے اور ان پر مقررہ علامات بھی لگا دیں۔ تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ صرف بیت اللہ کے ارادے سے عازمِ سفر ہیں اور ساتھ ہی "تلبیہ" کے کلمات بھی ادا کیے جا رہے تھے۔ جب آپ مکہ سے دو منزلوں کے فاصلے پر تھے۔ آپ ﷺ کو یہ خبریں ملنے لگیں کہ قریش کو نہ صرف آپ کی آمد کا علم ہو چکا ہے، بلکہ دو سو افراد پر مشتمل ایک دستہ آپ کا راستہ روکنے کے لیے مستعد اور تیار ہے۔ مزید برآں اگر مسلمان مکہ میں داخلے پر اصرار کریں گے تو قریش پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مقابلے پر اُتر آئیں گے اور ساتھ ہی عربوں میں یہ پروپیگنڈا کیا جائے گا کہ یہ لوگ حج کی عبادت میں خلل ڈالنے اور حرمت والے مہینے میں لڑائی کے ارادے سے آئے ہیں۔

چناں چہ آپ ﷺ نے اپنے دینِ امن کے تقاضوں کے پیشِ نظر قریش کی منصوبہ بندی بھانپتے ہوئے ان راستوں سے ہٹ کر آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا، جن پر قریش نے نگرانی قائم کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ مکہ سے تقریباً تیس کلومیٹر کے فاصلے پر حدیبیہ مقام پر آپ کی اونٹنی "قصوا" بیٹھ گئی اور اس نے اُٹھنے سے انکار کر دیا۔ بعض افراد نے اسے اونٹنی کی ہٹ دھرمی سمجھا، لیکن آپ ﷺ نے اسے منشائے خداوندی قرار دیا اور ساتھ ہی واضح کر دیا کہ آپ ﷺ قریش کی جانب سے پیش کردہ قیامِ امن کی ہر پیش کش کو تسلیم کریں گے، بشرطیکہ اس میں اللہ کی حرمات کی عظمت اور صلہ رحمی کے تقاضے مجروح نہ ہوتے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے وہیں خیمے نصب کروائے اور حکمِ خداوندی کے انتظار کے لیے ارشاد فرمایا۔

صلح کی بات چیت سے قبل آپ کی امن پسندی کے شواہد

1۔ اس دوران قریش کے بعض افراد آنکھ بچا کر لشکرِ اسلام میں داخل ہو گئے۔ تا کہ وہ نماز کے اوقات میں مسلمانوں کو غافل پا کر ان پر وار کر سکیں۔ لیکن وہ لشکر کی حفاظت پر مامور عملے کے ہاتھوں گرفتار ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں لائے گئے۔ آپ ﷺ

نے ان کے اس جرم کو معاف کرکے رہا کردیا۔ کیوں کہ آپؐ کسی بھی طور پر اپنے مقاصد امن وآشتی کو کسی ردِعمل سے ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔

2۔ بعدازیں بدیل بن ورقا خزاعی، قریش کے ایلچی کے طور پر آپ ﷺ سے گفتگو کے لیے آیا۔ واپس جاکر اس نے آپؐ کی امن پسندی اور جنگ سے احتراز کے جذبات کا اعتراف کیا اور قریش کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے دیں لیکن قریش نے اس پر آپ ﷺ سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا، جس پر وہ ناراض ہوکر قریش سے علاحدہ ہوگیا۔

3۔ پھر عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ ﷺ سے بات چیت کی۔ اور آپؐ کے ساتھ صحابہؓ کے والہانہ تعلق کا متأثر کن مشاہدہ کیا۔ واپس جاکر اس نے بھی قریش کو آپ سے مصالحت کرنے کا خیر خواہانہ مشورہ دیا۔

4۔ عروہ کے بعد حلیس بن علقمہ قریش کی جانب سے گفتگو کے لیے آیا، لیکن اسے دور سے ہی مسلمانوں کا لباس احرام دیکھ کر اہل ایمان کی صلح جوئی کا یقین ہوگیا۔ چناں چہ بغیر گفتگو کے واپس چلا گیا اور جاکر اپنے خیالات سے آگاہ کیا۔ قریش کو اپنے ایلچیوں کے یکساں تأثرات سن کر اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کرنا پڑی کہ مسلمان کسی صورت میں مکہ میں داخل نہیں ہوسکتے۔ اَب وہ صرف اس پر اصرار کرنے لگے کہ مسلمان اس سال مکہ میں نہ آئیں۔ بعدازیں کچھ ایام تک قریش کی طرف سے ایلچیوں کی آمد موقوف رہی۔ چناں چہ آپ ﷺ نے امن وصلح کے لیے پیش قدمی کے طور پر حضرت عثمانؓ کو اپنے نمائندے کی حیثیت سے مکہ بھیجا۔ چند دن گزرے ہی تھے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تو اس پر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے بیعت رضوان لی کہ مسلمہ عالمی قانون کے مطابق سفیر کے قتل پر مجرموں سے بدلہ لیا جائے گا۔ بعدازیں یہ خبر درست ثابت نہ ہوئی اور ساتھ ہی قریش نے اپنے معززین میں سے سہیل بن عمرو کو مصالحت کی بات چیت آگے بڑھانے کے لیے بھیجا۔

بات چیت کے دوران اور صلح کے بعد آپ کی امن خواہی کے واقعات

1۔ آپ ﷺ نے حالت جنگ کے خاتمہ اور پرامن فضا کے قیام کے لیے

www.alhikma.org

سہیل بن عمرو کی پیش کردہ ایسی شرائط بھی تسلیم کرلیں جو بادی النظر میں مسلمانوں کی کمزوری ظاہر کرتی تھیں۔ مثلاً یہ کہ مسلمان اس سال واپس لوٹ جائیں اور یہ کہ قریش کا کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ آئے گا تو قریش کے مطالبہ پر اسے واپس کردیا جائے گا۔ اور اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا گیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ان شرائط کے سبب عمومی طور پر مسلمانوں میں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی، لیکن آپ ﷺ صلح نامہ پر استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔

2۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صلح نامہ کی کتابت پر مامور تھے۔ انھوں نے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر کردی۔ قریش کے نمائندے نے اس پر اعتراض کیا اور عربوں کے دستور کے مطابق "**باسمک اللھم**" لکھنے پر زور دیا۔ آپ ﷺ نے اجتماعی صلح و آشتی کی خاطر اس مطالبے کو بھی تسلیم کرلیا۔

3۔ بعدازیں یہ عبارت تحریر کی گئی کہ "ان شرائط پر محمد رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی۔" اس پر سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو رسول تسلیم کرتے تو نزاع ہی کیوں ہوتا۔ آپ ﷺ نے اس حساس ترین مسئلہ پر بھی صلح کی بات چیت کو ناکام نہیں ہونے دیا۔ چناں چہ فرمایا "بلاشبہ مَیں اللہ کا رسول ہوں، لیکن یہاں لکھ دو محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی۔" صلح کی بات چیت کے دوران ایک اضطراب انگیز واقعہ پیش آ گیا، جس نے صحابہ کرامؓ میں ایک گونہ اشتعال کی فضا بھی پیدا کردی۔

سہیل بن عمرو کے صاحبزادے ابوجندلؓ مسلمان ہوچکے تھے۔ اور انھیں زنجیریں پہنا کر قید کردیا گیا۔ وہ کسی طرح پابہ زنجیر حدیبیہ پہنچ گئے۔ سہیل نے دیکھتے ہی مطالبہ کردیا کہ معاہدے کی شرط کے مطابق اسے واپس کیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے توجہ دلائی کہ ابھی تو تحریر مکمل نہیں ہوئی، مگر سہیل نے اس پر صلح کی بات چیت ختم کرنے کا عندیہ دے دیا۔ آپ ﷺ نے کہا اسے میری خاطر اجازت دے دو، اس پر سہیل کا ساتھی، مکرز بن حفظہ تو تیار ہوگیا، لیکن سہیل نے ہٹ دھرمی سے کام لیا۔ اس موقع پر ابوجندلؓ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ وہ بہت تکلیفیں جھیل چکے ہیں اور پوچھا کہ کیا انھیں دشمن کے سپرد کردیا جائے گا؟۔ یہ بات مسلمانوں کے لیے انتہائی پریشانی اور اضطراب کا باعث بن گئی۔

www.rahima.org

لیکن آپ ﷺ کا ارشاد ہوا ''ابو جندلؓ! صبر کرو اللہ جلد ہی تم لوگوں کی آسانی کے لیے کوئی راستہ نکال دے گا۔'' اور بالآخر ابو جندلؓ واپس کردیے گئے۔ گویا آپ ﷺ نے اس انتہائی جذباتی ماحول میں بھی اپنی امن پسندی کو داغ دار نہ ہونے دیا۔ اس سے آپ ﷺ کی امن و مصالحت کے ساتھ وابستگی کی گہرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی کی آزادی کی قربانی دے کر اجتماعی امن کے قیام کو یقینی بنایا۔

4۔ صلح کے کچھ عرصے بعد ابو بصیرؓ نامی ایک صحابی مسلمان ہوکر مکہ سے مدینہ پہنچ گئے تو قریش نے ان کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیج دیے، اس پر رسول اکرم ﷺ نے ابو بصیرؓ پر واضح کردیا کہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا واپس چلے جاؤ، انھوں نے کفار کے ہاتھوں اذیتوں کا ذکر کیا، لیکن آپ ﷺ نے معاہدے کی پاسداری پر زور دیا۔ چناں چہ آپ ﷺ کے مصمم ارادے کی وجہ سے ابو بصیر کو واپس جانا پڑا (یہ الگ واقعہ ہے کہ راستہ میں ابو بصیر نے ایک کو قتل کردیا، جب کہ دوسرا بھاگ کر مدینہ آگیا۔ ابو بصیرؓ بھی مدینہ سے ہوتے ہوئے آزاد علاقے میں چلے گئے۔)

صلح ہوتے ہی عرب بھر میں بلکہ بیرونِ عرب بھی آپ ﷺ کی امن پسندی اور صلح جوئی کا شہرہ پھیل گیا۔ چناں چہ اس کا نتیجہ تھا کہ جب دو سال بعد آپ ﷺ مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے ہمراہی دس ہزار تھے اور چار سال بعد حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کے معیت میں تھے۔ انھی حقائق کے سبب انگریز مؤرخ آر وی سی باڈلے نے صلح حدیبیہ کو آپ ﷺ کی سیاست و تدبر کا عظیم شاہ کار قرار دیا ہے۔(22)

الغرض رسول اکرم ﷺ کی قولی و عملی تعلیمات سے آپ ﷺ کے داعی امن ہونے کی حیثیت نہایت واضح ہوکر سامنے آتی ہے۔ ایسے میں ایک تشدد پسند دین کے حوالے سے اسلام کی شناخت کرانے کا سرے سے کوئی جواز باقی ہی نہیں رہتا، کیونکہ اسلام کی حقیقی پہچان رسول اکرم ﷺ کا اُسوہ حسنہ ہے۔ لہٰذا اسلام کے حقیقی اور باشعور داعیوں کے لیے زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مزاج میں وسعت و رواداری، اپنے رویے میں نرمی اور اپنے مخالفوں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کے جذبے کو فروغ دینے کی سعی کریں۔ تاکہ انسانی معاشرے امن کا گہوارہ بن کر امن عالم کی راہ ہموار کرسکیں۔

www.rahima.org

حوالہ جات وحواشی

1۔القرآن،سورۃ الحجرات،۱۳۔

2۔ التاجی، احمد، سیرۃ النبی العربی ج ۲ ص ۴۶۴، مطبع مصطفیٰ الیاس الحلمی، مصر طبع اوّل ۱۳۹۸ھ، (1978ء)

3۔ مہر، غلام رسول، مولانا، رسولِ رحمت، ص۷۸۸، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، بار دوم 1981ء۔

4۔السباعی،مصطفیٰ،ڈاکٹر،السیرۃ النبویہ دروس وعبر،ص۸۲، دار القرآن الکریم بیروت،طبع اوّل ۱۴۰۴ھ، (1984ء) 5۔القرآن،سورۃ النسا،۱۳۵۔

6۔عثمانی،شبیراحمد،مولانا،فوائد موضح الفرقان عرف تفسیر عثمانی، بذیل آیت نمبر۸سورۃ المائدہ۔

7۔القرآن،سورۃ المائدہ،۲۔ 8۔القرآن،سورۃ فصلت،۳۴۔

9۔القرآن،سورۃ المائدہ،۳۸۔ 10۔ایضاً،۳۳۔ 11۔القرآن سورۃ الحجرات،۱۱،۱۲۔

12۔شبلی، نعمانی، علامہ، سیرت النبی، ج ۲ ص۲، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد طبع چہارم، ۱۹۸۵ء۔

13۔حمیداللہ، محمد، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص۵۷، دارالاشاعت کراچی۔عکس اشاعت ۱۹۸۰ء۔

14۔ جرہمی دور میں تین افراد کے نام فضل تھے(فضل بن حارث،فضل بن وداعہ اورفضل بن وادء)انہوں نے انجمن امداد مظلومین قائم کی تھی، اس میں شامل رضا کار متحدہ طور پر اپنے شہر میں ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کا ان کا حق دلاتے تھے، رسول اکرم کی سیاسی زندگی،ص۶۰۔

15۔حمیداللہ،محمد،ڈاکٹر،رسول اکرم کی سیاسی زندگی،ص۵۹،۶۰۔

16۔التاجی،احمد،سیرۃ النبی العربی ج۱،ص۱۶۰،اوراس کے بعد۔

17۔مہر،غلام رسول،مولانا،رسول رحمت ص ۱۳۷۔ 18۔ایضاص۲۴۴۔

19۔السباعی،مصطفیٰ،ڈاکٹر،السیرۃ النبویہ ص۸۱۔20۔القرآن،سورۃ البقرہ،۲۵۱۔

21۔ ابن قیم الجوزیہ،محمد بن بکر، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ج۲،ص۱۲۲تا۱۲۶۔ دار الکتاب العربی، بیروت؛ ایضاً الناجی،احمد سیرۃ النبی العربی، ج۱،۶۸۶ تا ۷۰۲۔

22۔ باڈلے، آروی سی، محمد رسول اللہ (ترجمہ سید محمد امین زیدی)، ص ۳۹۶، مکتبہ عالیہ لاہور1978ء۔

www.rahimia.org

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

☆ جدو جہد اور نوجوان ☆ استعماری مظالم اور ملی تقاضے۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ

☆ ولی اللہی فکر کا تاریخی تسلسل ☆ قرآنی دعوت انقلاب۔

☆ تاریخ اسلام (ایک معروضی مطالعہ) ☆ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا ایک اہم مکتوب

☆ تقویٰ کیا ہے؟۔

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

☆ دین حق کی جامعیت اور برصغیر کا سامراجی نظام تعلیم (ایک تقابلی جائزہ)

مولانا محمد الیاس دہلویؒ و مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

☆ شریعت، طریقت اور سیاست۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

☆ قرآنی اصول معاشیات ☆ اسلام کا اقتصادی نظام (ایک تقابلی جائزہ) ☆ فرد اور اجتماعیت۔

☆ اخلاق و معاشیات کا باہمی ربط ☆ وقت کی قدر و قیمت ☆ آزادی۔

☆ دینی دعوت کی حکمت عملی ☆ سیرت نبوی ﷺ کی ضرورت و اہمیت۔

مولانا سید محمد میاںؒ

☆ ولی اللہی تحریک (نظریہ انقلاب، نصب العین، پروگرام، مراکز، جماعت اور مشکلات راہ)

☆ امام شاہ عبد العزیزؒ (افکار و خدمات) ☆ انگریز کے لرزہ خیز انتقام کی داستان۔

☆ آزاد قومی پالیسی کا خاکہ۔

سید سلیمان ندویؒ

☆ دین اور حکومت ☆ دین وحدت ☆ جہاد کیا ہے؟ ☆ حکومت کا دینی تصور۔

چوہدری افضل حقؒ

☆ غلبہ دین اور عبادات ☆ ثناء خداوندی ☆ صدائے فکر و عمل ☆ ارکان اسلام۔

مولانا شوکت اللہ انصاریؒ

☆ دین کے شعوری تقاضے۔

www.rahimia.org